

تَلَخِيصٌ وَتَوْجِيهٌ

عربوں کی قومی تحریک اور جنگ

(۲)

ان عرب ملکوں میں جہاں فوجی قبضہ غیر ملکیوں کا ہے، نوجوانوں کی یہ تحریکیں اپنی بہترین شکل میں تخیل پرست افراد کے چند حلقے ہیں جو حقیقت کی بجائے سایہ کے پیچھے دوڑتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ کہاں جا رہے ہیں۔ اس کے برعکس جس عرب مملکت میں اپنی فوج ہے وہاں نوجوانوں کے دماغوں میں یہ خیالات پیدا کئے جاتے ہیں کہ ان کے ملک پر بدیشیوں کی محکومی سے آزاد ہونے کے بعد یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوسرے بے بس غلام بھائیوں کو آزاد کرنے کی ہم میں آگے بڑھیں۔

عرب ملکوں کی چند حیثیت سے یہ بدقسمتی رہی کہ عثمانی سلطنت کے سایہ عاطفت سے محروم ہونے کے بعد انھیں عہد حاضر کے ہتم باشان اور پیچیدہ مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ چند ممتاز اور تجربہ کار مدبرین شاہ فیصل اور سلطان ابن سعود وغیرہ نے وقت کی نبض کو پھپھانا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ملک دونوں جنگوں کی درمیانی مدت میں برابر ترقی کرتے رہے، یہ چیز دلچسپی سے خالی نہیں کہ ان کے ملک کے اکثر لوگ اس وقت بھی آزاد ریاست کا وہ خواب دیکھ رہے ہیں جو دورانِ جنگ (۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء) میں نظر آیا تھا مصر میں بھی یہی خواب دیکھا جا رہا ہے اور وہاں بھی یہ ذہنیت سیاسی زندگی کے ایک سے زیادہ شعبوں پر کار فرما ہے!

عراق میں ان قوم پرستوں نے اپنے مشن کے لئے حالات کو زیادہ ساڑھا کر پایا، شہ فیصل کی بیماری اور موت (۱۹۳۳ء) کے بعد یہاں سے مصلحت اندیشی کا جنازہ بھی اٹھ گیا۔ اب عراقیوں کو جذبات

کو دبائے رکھنا آسان نہ تھا، شاہ فیصل کے بعد ان کے نو عمر فرزند غازی نے نظم و نسق سنبھالا۔ منڈلینی سر ذرا پہلے ایک آپے سے باہر قوم نے اشوریوں (Assyrians) کا قتل عام شروع کر دیا تھا، اس کی وجہ سے تین سال تک فوجی آمریت قائم رہی اور اس دوران میں ملک کے ذی ہوش ترین رہنما قتل کر دیے گئے یا انھیں جلا وطن ہونا پڑا۔

اس داروگیر نے جلد ہی ڈکٹیٹر سے عام نفرت کے جذبات پیدا کر دیے، اس کی وجہ سے بظاہر ایک آئینی حکومت کا قیام بھی عمل میں آیا، مگر اب دشواری یہ پیش آئی کہ چونکہ فوج اپنے ہاتھ سے طاقت دینا نہیں چاہتی تھی اس لئے اس نے ان نوجوانوں کا سہارا لینا چاہجن کے خیالات اور خواہشات کی تیزی فلسطین کی شورش اور شامی شکایتوں کی وجہ سے روز افزوں تھی، خوش قسمتی سے اسی دوران میں فلسطین کے اندر سکون ہو گیا اور عراق میں سلطان غازی کی موت کے بعد چند ذمہ دار بربرین کی ایک عارضی حکومت کے قیام کا موقع مل گیا۔ ان اتفاقات نے بڑی حد تک اس آگ کو دبا دیا، یہ ۱۹۳۹ء کے موسم بہار کا ذکر ہے اس عارضی حکومت نے تھوڑی مدت تک عراق کو راہ سے بھٹکنے نہیں دیا اور اسے خط مستقیم پر قائم رکھا، موجودہ جنگ کے چھڑنے پر عراق نے بھی جرمنی سے بین الاقوامی تعلقات قطع کر لئے تھے اور معاہدہ عراق و برطانیہ کی غیر مشروط پابندی کا دوبارہ وعدہ کیا تھا، لیکن چند ماہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ فضا بدلنے لگی، اکتوبر ۱۹۳۹ء میں فلسطین کے منقہ اعظم اور ان کے ساتھیوں کے لبنان سے بغداد چلے جانے کی وجہ سے بین عرب تحریک کا جذبہ بھڑک اٹھا اور جذباتی لوگوں کے لئے اعتدال پر قائم رہنا ناممکن ہو گیا۔ رشید علی گیلانی نے مارچ ۱۹۴۰ء میں وزارت پر قبضہ کر لیا تھا، اسی اثنا میں برطانیہ کے ساتھ کشیدگی بڑھ ہی رہی تھی کہ جون ۱۹۴۰ء میں عراق کے کابینہ نے اٹلی سے بین الاقوامی مراسم قطع کر لینے سے انکار کر دیا اور اس حکومت کی جڑیں کھودنا شروع کر دیں۔ اس کشمکش کے وقت اٹلی اور جرمنی کو پروپیگنڈے اور عراقیوں کی حوصلہ افزائیوں کی آزادی تھی۔ پھر بھی ان کی ریشہ دوانیوں کا کوئی نمایا

اثر ظاہر نہ ہوا، اور عربوں کی قومی تحریک کا جذبہ اتحادِ عرب سے آگے نہ بڑھا، شورش سے چند ماہ قبل عراق کے بڑے بڑے فوجی افسروں نے علانیہ یہ نشر کرنا شروع کر دیا کہ ہماری فوج اور سوائی طاقت کا ایک عظیم الشان مقصد ہے اور وہ شام و فلسطین کو آزاد کرنا، جن کو یورپ اور یہودیوں نے غلامی میں جکڑ رکھا ہے۔ نیز ہمارا عزم مصمم ہے کہ فتوحاتِ عرب اور صلیبی لڑائیوں کے شجاعت آفرین دنوں کی یاد تازہ کریں۔

خیال ہو سکتا ہے کہ ان کے ان بلند بانگ دعووں سے عرب کے ہر ملک کے قوم پرستوں نے انگڑائی لی ہوگی اور ان انقلاب پسندوں کے ساتھ ایک عام ہمدردی کی لہر پیدا ہو گئی ہوگی۔ لیکن نہیں ایسا نہیں تھا۔ اصل میں بات یہ تھی کہ موجودہ جنگ کے آغاز سے یہ قوم پرست دست و گریباں تھے، ان کے نظریوں میں تصادم تھا، ہر فرد اپنے نظریہ کو مصلحت و وقت کے مناسب خیال کرتا تھا، بعض افراد کچے دل سے یہ عقیدہ تھا کہ اتحادیوں کا اس وقت ساتھ دینا چاہئے، بعض اے مصلحت و وقت کا تقاضا خیال کرتے تھے عرب کے آزاد ملکوں کا رجحان اتحادیوں کی طرف تھا، قطع نظر اس سے کہ سچے دل سے تھا یا وقت کے تقاضے سے۔

اس نیم رمضان نہ کیفیت کو دور کرنے کیلئے انتہا پسند طبقہ نے یہ ترکیب کی کہ انگلستان کے خلاف بڑے زور شور سے پروپیگنڈا جرمنی اور اٹلی کی عربی نشر گاہوں سے خصوصیت کے ساتھ شروع کر دیا، خیر، اس سے تو بظاہر نمایاں کامیابی نہیں ہوئی، البتہ شام و عراق کے اکثر افراد نے ان باتوں کو ضرور غور سے سنا جو اتحادِ عرب کے مرکز بغداد سے نہایت اہتمام کے ساتھ بیان کی جاتی تھی کہ عرب ملکوں کو باہم تقسیم کر لینے کے لئے برطانیہ اور یہودیوں میں ساز باز ہو گیا ہے۔ اس پروپیگنڈہ کا اثر یہ ہوتا تھا کہ شام و فلسطین کے عربوں کے پرانے زخم پھر خون دینے لگتے تھے اور ان میں جوش پیدا ہو جاتا تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ عراق کی اس جنگ میں جان و تن کی بازی جرمنی کے منورہ سے لگائی گئی تھی لیکن حقیقت میں اس کے اندر روح، عراق کی فوجی طاقت پر غیر معمولی گھمنڈ اور برطانیہ کے خلاف

پروپیگنڈے کے اثرات کی توقع نے سبھونکی تھی، ان کے دونوں اندازے غلط تھے، اسی لحاظ سے ان کا میٹھا پیڑی یہ صحیح ہے کہ شام اور مصر میں کچھ لوگ تھے جو اس انقلابی تحریک کی حمایت میں ہتھیار اٹھانے کیلئے آمادہ تھے لیکن نہ صرف شام اور مصر میں خاموشی تھی، بلکہ عراق کی بھی یہی کیفیت تھی۔ اور سعودی عرب اور مصر کی حکومتوں نے توصاف طور پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا تھا۔

تاہم عراق کی اس شورش نے تمام عرب کے قوم پرستوں کے جذبات میں ایک درد انگیز کشمکش پیدا کر دی ہے۔ ۲۹ مئی ۱۹۲۱ء کو جب یہ شورش فرو ہوئی تو فارن سیکرٹری نے ایک مناسب تقریر کی جو بعد میں قرطاس ابض کی شکل میں شائع ہوئی، اس میں عراق اور عالم عربی دونوں کو مخاطب کیا، عراق سے کہا کہ ”برطانیہ عظمیٰ کوئی انتقامی کارروائی نہیں کرے گا، اسے صرف اتنی خواہش ہے کہ عراق برطانیہ عظمیٰ کے ساتھ اپنے عہد نامہ پر وفاداری کے ساتھ قائم رہے اور دنیا کے عرب کو خطاب کرتے ہوئے کہا ”ہنرمندی کی گورنمنٹ تہذیبی، معاشی اور سیاسی اتحاد عمل کی وسعت کی خاطر“ اسے عامہ کی ہر یکیم میں تعاون کرنے پر آمادہ ہے اور اس پر پورا بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔“

عربوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔ اور جدید اتحاد عمل کے لئے آمادہ ہو گئے۔ سال گذشتہ کے آخر میں جرمنی اور اٹلی نے بھی اسی قسم کے سرکاری اعلانات شائع کئے تھے لیکن عراق کے انتہا پسندوں پر بھی ان کا کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا۔

۸ جون ۱۹۲۱ء کو جنرل ڈیگال نے شام کو آزاد اور خود مختار کرنے کا اعلان کیا، اسی دن لندن کے اخبارات میں اور مصر کے برطانوی سفیر کے ذریعہ یہ اعلان کیا گیا کہ ہنرمندی کی گورنمنٹ غیر مبہم طریقہ سے اس وعدہ میں شریک ہے۔ ملک پر پورا قبضہ ہو جانے کے بعد آزاد فرانس اور برطانیہ حکومت کا فرض ہے کہ اپنی ان ذمہ داریوں کا احترام کرتے ہوئے ان سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کریں۔ اس وقت فوری طور سے تو شامی یہ توقع نہیں کر سکتے کہ انھیں ہر بات کا اطمینان ہو جائے، ہاں ایک طویل مدت کے بعد اس کا رد عمل ہوگا اور سخت ہوگا

اب اس پر کافی روشنی پڑ چکی ہے کہ شام میں کسی آخری سمجھوتہ کا کرنا اتنا آسان نہیں ہے، داخلی اور خارجی دونوں قسم کے مسائل میں غیر معمولی دشواریاں حائل ہیں، انھیں حل کرنے کی صرف اسی طرح امید کی جاسکتی ہے کہ ان مسائل کو تمام پارٹیوں کے سامنے پیش کر دیا جائے اور لاخصل مسائل میں نیک نیتی کے ساتھ تصفیہ کر دیا جائے، مگر چرچل نے اپنی ایک تقریر میں تسلیم کرتے ہوئے کہ شام میں فرانسیسی اغراض یورپ کے دوسرے ملکوں سے زیادہ ہیں یہ بھی کہا ہے کہ فرانسیسیوں کے دلوں میں اگر برطانیہ کی طرف سے کچھ شکوک رہ گئے ہوں تو وہ انھیں دور کر دیں، اس وقت برطانیہ نے اپنی پوری کوششیں اس کو وقف کر رکھی ہیں کہ کوئی ایسا حل تلاش کیا جائے جس کی بنا پر دوسرے عرب ملکوں کے ساتھ شام کے تعلقات کو فروغ دینے میں آسانی پیدا ہو سکے، اس سلسلہ میں دیر یا سویر فلسطین کا مسئلہ بھی ضرور اٹھایگا اگر یہ بھی سلجھ گیا تو عرب کی پرسکون ترقی اور اس کے ساتھ برطانیہ عظمیٰ اور فرانس کے خوشگوار تعلقات کی طرف سے ایک مدت تک کے لئے اطمینان ہو جائیگا!

کیا آپ نے اب تک اپنے نام جاری نہیں کرایا؟

دارالسلطنت دہلی کا مشہور ادبی رسالہ

ادیب

سال بھر کے قریب نکلے گزر گیا۔ بڑا شاندار سا نرے صفحات بہت کافی

مہینہ بھر میں اس قدر تازہ مقالے، افسانے اور نظمیں وغیرہ پیش کر دیتا ہے کہ اس گرائی کاغذ کے زمانہ میں دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔ میا رتھ اور بلندیہ۔ سید محمد اتھنی واحدی اور فصیح الدین احمد ایم اے رسالہ ادیب کو مرتب کرتے ہیں، اور محترمہ (آنسہ) نجمہ تصدق، ایم۔ اے، بی۔ ٹی، خواتین کے مضامین کی انچارج ہیں۔

آپ کو اردو ادب سے دلچسپی ہے تو یقین کیجئے ادیب کے بغیر آپ کے مطالعہ کی میز سو فی صد ہی کم ہے جب بھی ادیب آپ کی نظر سے گزرے گا آپ پہنچائیں گے کہ شروع سے آپ نے اسے کیوں نہ جاری کر لیا۔ پچھلے نمبر اب نہیں مل سکتے ہر نمبر پر لوگوں کو گمان ہوتا تھا کہ کسی اچھے رسالہ کا سالانہ یا خاص نمبر ہے۔ سالانہ چند آٹھ روپیہ فی رسالہ۔ اس نمونہ قیمت

منیجر رسالہ "ادیب" دہلی